کلامِ لطف

یعنی

استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی محمد لطف اللہ صاحب علیہ رحمۃ اللہ کا کلام،

مرتبہ

محمد بدر الدین علوی

استاذ ادبیات شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

باہتمام مولوی مسعود علی ندوی
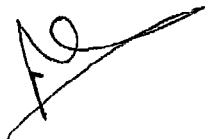
مطبوعۂ معارف پریس شہر اعظم گڈھ

۱۳۵۵ھ

۱۹۳۷ء

اُستاذ العلماء مولانا مفتی محمد لطف اللہ صاحبؒ

کا

کلام

اُستاذ العُلما کے عنوان سے ایک بسیط مقالہ معارف اپریل ۱۹۳۳ء مین نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان صاحب شروانی کے قلم سے نکلا تھا، جو بعد مین بصورت رسالہ علحدہ بھی شائع ہوا، مولانا ممدوح مستحقِ شکر ہین، کہ اُنھون نے اس مقالہ کے ذریعہ سے ایک بڑی علمی خدمت انجام دی، فجزاھم اللہ تعالیٰ خیرا،

استاذ العلماء کی سوانح عمری نہایت بسیط موضوع ہے، جس پر بڑی ضخیم کتاب لکھی جا سکتی ہے، اس کتاب کا ہر باب اخلاف کے لئے فیض رسان اور قابلِ تقلید ہوگا، اس وقت اُس کا صرف ایک باب ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے، جو اُن کی شاعری کے متعلق ہے، اگر خدا کو منظور ہے تو اُن کے مخصوص علمی کارنامون کا باب بھی عنقریب پیشِ خدمت کیا جائیگا،

تمہید

اصل مضمون پر قلم اٹھانے سے قبل اپنے شفیق استاذ رحمۃ اللہ علیہ کی محبت مین سرشار ہوکر چند جذبات کا اظہار کئے بغیر نہین رہ سکتا کہ جن کے سلسلہ مین اپنی حدود کے باہر واقعات نگاری پر پہنچا ہوا بھی نظر آؤنگا، لیکن کیا کیا جائے،

لابدّ للمصدور من أن ینفثا

حضرت کے انتقال کو بیس سال ہوگئے جو واقعات کے بھول جانے کے لئے کافی مدت ہے، مگر اس وقت تک اُن کی تقریرین اور کلمات کانون مین گونج رہے ہین اور صورتِ مبارک نظرون کے سامنے ہے،

میرا زمانۂ تعلیم وہ تھا کہ جب حضرت نابینا اور معذور ہوکر درس باضابطہ بند فرما چکے تھے، میری انتہائی خوش قسمتی تھی کہ ایسے وقت مین مجھکو نعمتِ غیر مترقبہ حاصل ہوئی اور شرفِ تلمذ سے بہرہ ور ہوا، مجھسے اکثر فرمایا کرتے تھے، پڑھانا تو میری غذاے روح تھا، اسی ذوق کا نتیجہ تھا کہ مولوی کرم الٰہی صاحب مرحوم جو فارسی اور تجوید کے استاد تھے، باضابطہ درس کے زمانہ سے برابر پڑھتے چلے آتے تھے، اُن کے درس کا سلسلہ حالتِ معذوری مین بھی جاری تھا اور وہ اپنی پیرانہ سالی مین بھی شوق کی وجہ سے طالب علم بنے ہوئے تھے، اُن کے دو سبق اس شان سے ہوتے تھے کہ منگل اور جمعہ کی بھی تعطیل نہ ہوتی تھی،

میرے حاضرِ خدمت ہونے کی صورت یہ ہوئی کہ مجھکو مولوی اخلاق احمد صاحب مرحوم سہسرانی

پڑھایا کرتے تھے، جب وہ علی گڈھ چھوڑ کر وطن جانے لگے تو میرے اسباق کا انتظام زیرِ غور ہوا، بالآخر اُن کی رائے ہوئی کہ میرے والد ماجد استاذ العلماء کی خدمت مین حاضر ہو کر التماس کرین کہ ایک سبق مجھ کو حضرت پڑھا دیا کرین، والد مرحوم مولوی حافظ محمد عبد الرحیم صاحب وکیل علیگڈھ خود فارغ التحصیل عالم اور اپنے زمانہ کے مشاہیر اساتذہ مولانا فاروق صاحب چریا کوٹی، مولانا ہدایت اللہ خان صاحب رامپوری، مفتی یوسف صاحب فرنگی محلی اور مولانا معین الدین صاحب کڑوی کے شاگرد تھے، فرماتے تھے "میری طالب علمی کے زمانہ مین استاذ العلماء کا علم شہرت لہرا رہا تھا، اور اُن کے کمالات کے چرچون نے غائبانہ عقیدت اُن کے ساتھ میرے دل مین قائم کر دی تھی" علی گڈھ آنے کے بعد یہ عقیدت نمایان ہو گئی اور والد مرحوم استاذ العلماء کی خدمت مین شاگردون کی طرح حاضر ہونا اپنی سعادت سمجھتے رہے، مولوی اخلاق احمد صاحب کی تجویز سنکر فرمایا کہ ایسی معذوری کی حالت مین مجھ کو التماس کرنے کی ہمت نہین ہوتی، ڈرتے ڈرتے مولوی صاحب مرحوم نے خود مجھ کو ساتھ لیجا کر التماس پیش کی، جو بہت کشادہ پیشانی کے ساتھ منظور ہوئی اور حضرت نے مجھکو اپنی علمی آغوش مین لے لیا، یہ سعادت خود ہی کیا کم تھی اس پر سے یہ سندِ قبول بھی عطا ہوئی کہ حضرت نے میرے بارہ مین یہ کلمات فرمائے:-

"میان مولوی بدر الدین جب پڑھنے آجاتے ہین تو مین اپنی تکلیفین بھول جاتا ہون اور جب تک ان کو پڑھاتا رہتا ہون ہائے ہائے سے نجات ملجاتی ہے" (ملاحظہ ہو رسالہ استاذ العلماء ص)

یہ کلمات میرے لئے جس قدر بھی مایۂ ناز ہون بجا ہے، خوشا نصیب و زہے قسمت کہ مجھ حقیر اور ناچیز کے سبق کو حضرت نے اپنی تکلیفون کے بھول جانے کا باعث اور ہائے ہائے سے نجات دینے کا سبب تصوّر فرمایا، فالحمد للہ علیٰ ذلک، یہ سلسلۂ سعادت سات برس تک جاری رہا، شروع سے آخر تک جو شفقت مجھ پر فرماتے رہے، اس کا اظہار غیر ممکن ہے، اگر کسی وقت مجھکو

حاضر ہونے مین ذرا دیر ہو جاتی تو فوراً خادم میرے دروازہ پر ہوتا کہ میان خیریت پوچھتے ہین،
اکثر اعزہ اور شاگردون کے نام مجھ سے خطوط لکھواتے، اور فرماتے کہ ہمارے حضرت مفتی (عنایت
احمد) صاحب مجھ سے خطوط لکھوایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ تم تو ہمارے نورِ چشم ہو،

اُستاذُ العُلما کی شاعری اور نقدِ سخن

حضرت کے والد مولوی اسد اللہ صاحب اچھے شاعر تھے مضطر تخلص تھا، اخیر مین ضیق النفس
کا عارضہ ہو گیا تھا، لیکن دورون کی شدید تکلیف مین بھی اشعار موزون کیا کرتے، اُن کے شعر
کبھی کبھی حضرت مجھ کو سنایا کرتے تھے، ایک واقعہ خود حضرت کا بیان فرمایا ہوا یاد آگیا، مولوی صاحب
نے ایک غزل کہی تھی جس کے صرف تین شعر محفوظ رہگئے ہین،

لے اڑی طرزِ فغان بلبلِ نالان ہم سے	گل نے سیکھی روشِ چاک گریبان ہم سے
لاکھ روکا نہ رکا دیدۂ گریان ہم سے	لو ہوا چاہتا ہے نوح کا طوفان ہم سے
پاؤن پھیلائے تو ہی رہنا ہے اگر بلبل	چھوٹتا ہے کوئی دم مین یہ گلستان ہم سے

یہ غزل کسی نے مرزا غالب کو سنائی، بہت پسند آئی، پوچھا کس کی ہے، سنانے والے
نے کہا کہ کول مین ایک مولوی اسد اللہ ہین، مرزا نے کہا، کیون نہ ہو یہ نام کا کمال ہے، (مرزا کا
نام بھی اسد اللہ تھا)

استاذ العلما کی شاعری میرے نزدیک میراثِ پدری تھی، اوائلِ عمر ہی مین شعر گوئی کا ذوق
ہوا ہو گا، لیکن خدا نے اُن کو پیدا تو دوسرے کام کے لئے کیا تھا، اس لئے دولتِ علم سے مالا مال
ہو کر دریائے فیض جاری کیا، اور اخیر تک اسی کے اجرا مین مصروف رہے، ایسی حالت مین ظاہر
ہے کہ حضرت کی شاعری کوئی باضابطہ شاعری نہ تھی، اگر کسی وقت طبیعت شگفتہ ہوئی تو کچھ اشعار

موزون ہوگئے، تاریخیں کبھی خود نظم فرمائیں، کبھی کسی کی درخواست پر، کسی وقت جی چاہا تو کسی شاگرد کو منظوم خط لکھ دیا، یہ کیفیت اس وقت کی ہے جب درس میں انہماک تھا، اس سے قبل یعنی اوائل عمر کا یا محض فارسی کی تکمیل کے بعد کا کلام بھی ہے،

کلام زیادہ تر فارسی ہے، کچھ اردو میں بھی ہے، عربی میں بجز ایک تاریخ کے کوئی اور چیز نہیں ملی، غالباً اس کی وجہ یہ ہوگی کہ فارسی تعلیم کے بعد ذوق کا میلان فارسی میں راسخ ہوگیا، اور پھر رخ نہ بدلا، فارسی اور اردو دونوں میں کہیں ذرّہ اور کہیں لطف تخلص فرماتے تھے،

شعر گوئی کے مذاق کے ساتھ حضرت بڑے نقادِ سخن تھے، اور شاعری کا پورا ذوق تھا، مولانا شروانی نے بالکل صحیح لکھا ہے، (میں نے اپنے زمانہ میں بھی یہی مشاہدہ کیا،)

"خاص صحبتوں میں اشعار کا ذکر چھڑ جاتا تو گھڑیوں جاری رہتا، اشعار لطیف پڑھتے لطف و خوبی ظاہر فرماتے، ایک ہی قافیہ یا مضمون پر متعدد اساتذہ کا کلام سناتے، عربی فارسی اردو ادب سے یکساں ذوق تھا" (رسالہ استاذ العلماء ص ۱۹)

ایسے نقادِ سخن کے کلام میں جتنی خصوصیات اور خوبیاں بھی ہوسکتی ہیں، وہ سب حضرت کے کلام میں موجود ہیں، جو فصاحت و بلاغت، جو سلاست اور روانی اور جو بے تکلفی اور آمد ہے وہ ناظرین کو آیندہ نمونوں سے خود معلوم ہوجائے گی، سارے کلام میں استادانہ انداز نمایاں ہے

اس زمانہ کے عام دستور کے مطابق حضرت مرحوم کا اصل ذوقِ سخن فارسی میں تھا، چنانچہ آپ کی فکرِ رسا اسی میدان میں داد سخن دیتی تھی، آپکا فارسی کلام بہت کافی ہے، اور آپنے فارسی کے بیشتر اصنافِ سخن پر طبع آزمائی فرمائی ہے، اور ہر صنف کے نمونے آپ کے کلام میں موجود ہیں جو بلا تامل اہلِ زبان کے کلام کے پہلو بہ پہلو رکھے جاسکتے ہیں،

ترتیب کا انداز

مین نے اشعار کی ترتیب اس طور پر کی ہے کہ پہلے نعتیہ کلام کو رکھا ہے' اس کے بعد مناجات پھر مدح، اس کے بعد عشقیہ کلام ہے، جو حروفِ تہجی کے لحاظ سے مرتب ہے، پھر مراثی ہین وہ بھی حروف پر مرتب ہین، مراثی پر تاریخین ہین، ان کی ترتیب باعتبارِ زمان و سنین ہے' اور ایک ہی سنہ کی تاریخین بہ ترتیبِ حروف ہین، اخیر مین متفرقات کا عنوان ہے، جن مین پہلے طویل نظمین ہین، بعد مین مختصر، مختصرات مین پھر ترتیبِ حروف ملحوظ ہے،

شُکر

اخیر مین نواب صدر یار جنگ مولانا شروانی صاحب کا شکر ادا کرنا ضروری ہے، جنھون نے نہ صرف اس مسودہ کو معائنہ فرما کر پسندیدگی ظاہر فرمائی اور بعض قیمتی مشورون سے بھی مستفید فرمایا' بلکہ موصوف کو جو شغف شفیق استاذ کیساتھ ہے' اس کے باعث اس مجموعہ کے مصارفِ طبع کی کفالت بھی فرمائی، جس کے لئے مجھ کو مزید شکر ادا کرنا واجب ہے، اس جگہ مجھکو اپنے مکرم دوست جناب مولوی ضیاء احمد صاحب لیکچرار شعبۂ فارسی کا شکر ادا کرنا بھی لازم ہے، انھون نے ازراہِ کرم اس پورے مسودہ کو پڑھا اور ترتیبِ اشعار کے متعلق مناسب اور صحیح مشورہ دے کر تین چار جگہ ناقلین نے مسخ تک پہنچنے والی جو غلطیان کتابت مین کردی تھین اُن کو اپنی بصیرت سے دور فرمایا،
اس سلسلہ میں اپنے محترم کرمفرما جناب مولنا سید سلیمان صاحب ندوی کا شکر ادا کرنا بھی فرض سمجھتا ہون' جنھون نے اس مجموعہ کے نشر و اشاعت مین کامل دلچسپی اور توجہ ظاہر فرما کر نہایت تصحیح اور آب و تاب کیساتھ اسکو زیورِ طبع سے آراستہ فرمایا،

محمد بدرالدین، مسلم یونیورسٹی علیگڈھ ۲۱ اگست ۱۹۳۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کلامِ نعتیہ

حبیبے را کہ احمد نام کردند
شرابِ عشقِ او در جام کردند

کسے کو گشت زاں صہبا سیہ مست
مقامش برتر از او ہام کردند

زگیسوہائے عنبر بوئے جاناں
برائے صیدِ دلہا دام کردند

سوادِ جانفزا و زیلۃ القدر
زچشمِ سرمہ سائش وام کردند

زجودِ حق مشو اے لطف نومید
کہ نامش مفضل و منعام کردند

تو اے صبا گذرے کن بجانبِ بطحا
کہ آں بطیبہ و طابہ بدہر شد مشہور

پیامِ من برساں در حضورِ ختمِ رسل
کہ اے شفیعِ خلائق بروزِ بعث و نشور

منم کمینہ غلام او فتادہ دور از در
بحالِ زار زبون و بخاطرِ رنجور

مرا بسوئے خود اے فخرِ انبیاً برکش
کہ برتری زسلیمان و کمترم از مور

برآستانِ تو آیم اگر ببر اے شاہ
خوشا نصیب و زہے بختِ بندۂ مجبور

ہو تیرا بھلا ساقی اک جام ہمیں بھر دے | یہ تجھ ہی سے ہووے گا، ہر کار وہ ہر مرد ے
ہو دور پریشانی جاتی رہے حیرانی | میری بھی طرف گر وہ رحمت کی نظر کر دے
وہ سب سے بہادر ہے جو شوق شہادت میں | سر اپنا تہ تیغ ابروئے بتاں دھر دے
کون اس سے عیاں تر ہے ہر جا وہی ظاہر ہے | سب حال یہ کھل جائے اٹھ جائیں اگر پردے
یا ختم رسل رحمے کز جور فلک وارم | ہم دیدہ پراز اشکے ہم سینہ پراز درد ے

فرقت میں مدینہ کی اے لطف تڑپتا ہوں
اک آن میں اڑ جاؤں خالق جو مجھے پر دے

مُناجات

فغاں کہ چرخ ستمگار بر سر کین ست | اجل شتاب کہ ہنگام یاوری این ست

یارب ز دے کہ قبر گردد جایم | رحمے کہ بتاع پاک دیں بربایم
چوں برخیزم ز قبر ہنگام نشور | با دولت ایماں بہ حریمت آیم

بجناب تو خداوند دو عالم نالم | زانکہ جز تو نرسد ہیچ بداد عالم
بر من زار ببخشائے کہ از جور سپہر | سخت شوریدہ سر و طرفہ کسیر البالم
مگر ایں چرخ جفا پیشہ بے جہت و نیت | از پئے مشق ستم جز تن من در عالم
رحم کن رحم خداوند کہ از غایت غم | مے رود از کف من دامن استقلالم
بہ طفیل شہ کونین رسول عربی | آنکہ باشد بفدایش دل و جان و مالم

آنکہ وصفش شد بروں ز حدِ وہم و قیاس
زانکہ در مدحت او الکن و گنگ و لالم

وارہانم ز غم و غصہ چنانم کہ بقہر
چرخ را لت زنم و گوشِ عدو را مالم

ہر چند کہ صاحبِ کمالم
از جورِ فلک شکستہ بالم

از دستِ تو اے سپہرِ بے مہر
تا چند بہائے ہائے نالم

زاں ترس کہ برکشم ز دل آہ
بر درگہِ چارہ سازِ عالم

اے بندہ نواز بندہ پرور
رحمے کہ بسے تباہ حالم

یابم نمی از زابرِ لطفت
بر خویش برنگِ سبزہ مالم

یارب روزے کہ بر سرِ چارکساں
راہے جویم بجانبِ گورستاں

بیروں جہم از مکائدِ اہلِ زماں
فارغ شوم از کشاکشِ این و آں

اے آنکہ توئی خالقِ افلاک و زمیں
مملوکِ تو باشد ز کہیں تا بہ مہیں

خواہم از تو کہ تا بہنگامِ پسیں
من باشم و آستانہ سرورِ دیں

مدح

مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب کے متعلق

من کہ از علم مرا نیست بخاطر جز نام
حیرتم از چہ شمارند مرا از اعلام

چوں منے را نتواں گفت کہ عالم ہستی — مگر اسے شخص کہ گوئی تو چنانم مستی
جاہلم جاہلی و بے ہنری کارِ من است — ویں مناعیست کہ ہموارہ ببازارِ من است
اگر از بے ہنری ہست مناعت در کار — پیشِ من آ و بیک لحظہ ببر صد خروار
عالم آنست کہ از معرفتِ حضرتِ حق — باشد اندر دلِ او پُر طبق فوق طبق
عالم آنست کہ از سرِّ کتاب و سنّت — گر بگوید سخنے خلق فتند در حیرت
آنکہ از علمِ حقائق وِلش آگاہ بود — بے گماں در صفِ اعلام ورا راہ بود
ور بہ پرسی کہ دریں عہد کہ بود ست چناں — گویمت فخرِ زمن حضرتِ فضلِ رحماں
آنکہ گر لب بکشاید بہ بیانِ توحید — گم شود ہر چہ بد ہر ست بجز ذاتِ وحید
آنکہ گر دم زند از سرِّ وجودِ اوّل — صد معما شود از یک سخن او منحل
نکتۂ سرّ الست ار بزبانش آید — ہر یک از ہر طرفے لب بہ بلے بکشاید
ایں کہیں پایہ فرومایہ نگوں سر یارب — بدرش ہمچو سگاں با و نشستہ بہ ادب

کلام عشقیہ

اے گوہرِ درجِ خوبروئی زود آ — وے شمعِ شبستانِ نکوئی زود آ
جانم ز فراقِ تو رسیدست بلب — اے آنکہ مرا تو آرزوئی زود آ

(حاشیہ صفحہ ۹) لے مولانا شاہ فضل رحمان صاحب کو استاذ العلماء سے خاص محبت تھی، جو شخص گنج مراد آباد سے علی گڈھ آتا مولانا اس کے ذریعہ استاذ العلماء کو سلام ضرور کہلواتے، استاذ العلماء مجھ سے فرماتے تھے کہ ایک بار میں مولانا کے یہاں حاضر تھا صحیح مسلم ہاتھ میں تھی اور یضربون مشارق الارض و مغاربہا پیش نظر، میری طرف خطاب کرکے فرمانے لگے، دیکھئے ہم اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں "پورب پچھم مارے مارے پھرتے تھے"، اس واقعہ کو لطیفہ انداز میں بیان فرماتے تھے

بکوے دوست پروا اضطرابِ دل مارا — کہ تا زود بہ بینم جمالِ سلمیٰ را
مجنبش من و بازوریش عجب ست — نکرد ہیچ کسے حل مرا این معما را

درد دل[1] آزردہ دارد ذرّہ را — اے دواے دردِ دل از در درآ

اے مقصد و آرزوے دلہا — بنگر ز کرم بسوے دلہا
درگنبد این سپہر گردوں — شوریست ز ہاے ہوے دلہا

من و صد گونہ رنج و ہر زماں از غصہ جاں دادن — کجا دانند حالم سرخوشانِ جام عشرت ہا

کبھی ہم پر وہ مہرباں نہ ہوا — کبھی دل اپنا شادماں نہ ہوا
کس لئے مجھ سے بدگماں ہو تم — مین کبھی تم سے بدگماں نہ ہوا
اندر اندر ہی سینہ کے دلِ زار — جل گیا پر کبھی دھواں نہ ہوا
عاشقی میں ہوا ہوں افسانہ — ذکر میرا کہاں کہاں نہ ہوا
فکر کیا کیا نہ کی چھپانے کی — حال دل کا مگر نہاں نہ ہوا
دیکھنا میری بیقراری کو — آہ اس وقت وہ یہاں نہ ہوا

یہی حسرت ہی مجھ کو اے ذرّہ
کہ مرے گھر وہ میہماں نہ ہوا

---

[1] یہ بیت صنعتِ فرد میں ہے یعنی اس کا ہر حرف دوسرے سے جدا ہے،

اے صبا راست بگو آں بتِ گلفام کجاست — آں پری چہرہ کہ سلمیٰ بودش نام کجاست
آں چناں رفتہ ام از خویش بعشقِ آں ماہ — کہ ندانم کہ سحر ہست کجا شام کجاست
من بیادِ رخِ او سوختم و حیف کہ گاہ — او نہ پرسید کہ آں عاشقِ ناکام کجاست
وقفِ صد رنج و غمم تا بوجود آمدہ ام — من نہ دانم چہ طرب باشد و آرام کجاست
ساقیا ما زمئے عشقِ صنم مدہوشیم — ما چہ دانیم کہ میناست کجا جام کجاست

ذرّہ از سادگیِ خویش در افتاد بہ بند
ایں نہ دانست کہ صیاد کجا دام کجاست

از درش عاشقِ مسکیں بچہ عنواں برخاست — ہمہ یاس و ہمہ حسرت ہمہ حرماں برخاست
مژدۂ مرگِ من آہستہ بگوشش گفتند — "شاد ماں زی کہ فدائیٔ تو از جاں برخاست"
ہر کہ شاداں بسرِ کوئے نکویاں بنشست — آخر کار چو من بے سر و ساماں برخاست
دلِ من از چمنِ انجمنِ گل رویاں — ہمچو بلبل بصد آہنگ غزل خواں برخاست

ایں خانۂ دل کہ خانۂ بس عالی ست — اے عشق بیا کہ از برایت خالی ست
آب از چشم و کباب از سینہ بجوے — وز آہ ہوا کہ مثلِ خوشش حالی ست

ہر دم از سینہ آہ می خیزد — اشک ہر دم ز دیدہ می ریزد
از جفائے سپہری ناظم — ہر زماں فتنۂ بر انگیزد
گاہ از دل برد سکون و قرار — گردِ غم گاہ بر سرم بیزد
گر میسّر شود وصالِ صنم — زہر در جامِ عشرت آمیزد

ذرّہ زاں بت ستم ہمی بینم — کہ دم از مہر و آشتی می زد

کجا نصیب کہ آں ماہ در برم آید — ہمیں بس ست کہ گہ گاہ بر درم آید

دلِ من از طپیدن پارۂ سیماب را ماند — زگریہ دیدۂ من شیشۂ پُر آب را ماند

گر وصلِ صنم نہ ہو میسّر — پھر موت ہے زندگی سے بہتر
وہ آئیں کہاں ہے ایسی قسمت — بلوائیں کہاں ہے یہ مقدر
ہر آن ہے اسکی یاد دل میں — ہر وقت ہے اُس کا نام لب پر
رہتا ہوں فراق میں جو دل تنگ — آجاتے ہیں بیٹھے بیٹھے چکر
بیتاب ہے اس قدر دلِ زار — سیماب کا ہے گمان اُس پر
یارب مرے دل کو بخش تسکیں — یا اس کو ہی مجھ پہ مہرباں کر
گلزار کی اُئیں کب ہو خواہش — جس دل میں بسا ہو یار کا گھر
من ذرہ ام و تو آفتابی — بر من از روے مہر بگذر

زہر خورانی[1] کے واقعہ کے بعد یہ قطعہ فرمایا،

اے فدایت دل و جانم قدمے رنجہ بکن — کہ زبے مہریِ ابناے زمانم رنجور
زہر کردند بکامم کہ در آمد بنظر — روز روشن چو شبِ ہجر نکویاں دیجور
شور بر حالتِ زارم زعزیزاں برخاست — مرگ ہم چہرہ نما گشت بچشمم از دور

---

[1] واقعہ زہر خورانی کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ استاذ العلما، ص ۱۳

گریه می کرد هر آنکس که به بالینم بود
دستها بُد بدعا سوی خداوند غفور

ناگهان فضلِ خدا داد ازان ورطه نجات
وان همه رنج و الم گشت مبدل بسرور

اندران حالِ ز پهلو یادِ تو بُد در دلِ من
نیز بُد روی نکویت بخیالم منظور

می توان دیده ز هر دیدنی و هر به بست
لیک از دیدنِ رویت نتوان گفت صبور

دمکی بر سرِ بالینِ من از ناز بیا
ای که خورشید غلام ست و پرستار حور

من شیفته روی نکویت هستم
دلدادهٔ زلفِ مشکبویت هستم

هر چند بظاهر از تو دوری دارم
اما بخیالِ روبرویت هستم

ای مهر سپهر حسن و دریای کرم
رحمی که اسیرِ دام زلفت هستم

خواهم ز صمد دلِ عدو سوزِ صنم
گفتم بکنایت و اشارت فافهم

حلقه در بینیِ صنم دیدم
خویشتن را بخویش گم دیدم

از ادای و نگاهِ مستِ او
بر دل و جان چها ستم دیدم

من عاشقِ روی تو ام شیدای گیسوی تو ام
افتاده در کوی تو ام بنگر بسویم از کرم

دلداده و دیوانه ام حسنِ ترا پروانه ام
از خویشتن بیگانه ام رحمی بحالم ای صنم

ای جانِ من جانانِ من ای نازنین نازک بدن
ای دلبرِ سیمین ذقن از دوریت جان بر لبم

در عشقِ تو ای مه لقا هستم گرفتارِ بلا
رفته است خواب از دیده‌ها همسایه را از یاربم

اے من بلاگردانِ تو جان و دلم قربانِ تو   تا چند از ہجرانِ تو باشم اسیرِ رنج و غم
جاں در ہوایت باختم دل صیدِ نازت ساختم   ہم شمع ساں بگداختم از آتشِ حسنت صنم

من نہ ہجرِ تو چنانم کہ تو بینی اگرم   نہ شناسی تو زمن ہیچ بجز چشمِ ترم

گہ ز زلفش سخن دراز کنم   گہ بابروے او نماز کنم
گاہ از فرطِ اضطرابِ دل   گلہ از روزگار باز کنم
وارہم از غمِ فراق اگر   دیدہ بر روے یار باز کنم
من بہندوستاں پریشانم   بہ کہ رو جانبِ حجاز کنم

گذر بسوے منِ زار می توان کردن   عیادتِ دلِ بیمار می توان کردن
وصالِ یار دہد دست گر دل و جاں را   نثار بر قدمِ یار می توان کردن
ہواے وصلِ صنم می برد مرا از جا   مقام بر درِ دلدار می توان کردن
روا مدار شکایت ز دلربا اصلا   گلہ ز بختِ نگوں سار می توان کردن

اے بتِ گلعذار سیمیں تن   نظرے سوے من ز لطف فگن
در فراقِ تو اے صنم ہستم   موردِ صد ہزار رنج و محن
دلِ من بے رخِ تو اے جاناں   ہست بیزار از گل و گلشن
عاشقِ تو ز فرطِ جوشِ جنوں   جیب را چاک کرد تا دامن

آفتابِ سپہرِ حسن توئی   ذرّۂ خاکسارِ ہستم من

ترے[1] فراق میں بے صبر و بیقرار ہوں میں   شکستہ خاطر و آشفتہ و نزار ہوں میں
کبھی ہوں فرطِ الم سے مثالِ برقِ تپاں   کبھی سحاب کی مانند اشکبار ہوں میں
نہ دل کو چین نہ پیروں میں طاقتِ رفتار   ترے بغیر بحالِ زبون و زار ہوں میں
میں خاکسار ہوا اس قدر کہ اے جاناں   تمھاری خاطرِ نازک پہ اب غبار ہوں میں
ہر ایک شخص کے نزدیک معتبر ہوں ولے   تری نگاہ میں ساقط زاعتبار ہوں میں
بہت نظر سے گرایا بس اب تو پیار کرو   تمھارے پیار کا مدت سے خواستگار ہوں میں
جو ایک بار کرو مجھکو جی سے پیار اے جان   تمھارے پیار کے صدقے ہزار بار ہوں میں
تمھیں کہو کہ کہاں جاؤں اور کہوں کس سے   جو تم نہ پوچھو تو پھر کیوں نہ اشکبار ہوں میں
کبھی کبھی جو کہی میں نے تم سے بیجا بات   قسم خدا کی نہایت ہی شرمسار ہوں میں
کہا جو کچھ کہ کہا پر نہ دشمنی سے کہا   جو دشمنی سے کہا ہو تو سخت خوار ہوں میں
غضب کی بات ہے گر ہوں میں آپکا دشمن   قسم ہے حضرتِ حق کی کہ دوستدار ہوں میں
کبھی کہوں گا نہ دل سے تمھیں برا اے جاں   تمھارا عاشقِ شیدا و جان نثار ہوں میں
اگرچہ ہوں میں سراپا خطا و لے اے جان   تمھارے لطف و کرم کا امیدوار ہوں میں
خدا کے واسطہ کردو مرا قصور معاف   اگرچہ حد سے زیادہ گناہگار ہوں میں
کرو نگاہ سے بسمل جو ہے سزا منظور   اسی سزا کے سزاوار اے نگار ہوں میں
برا ہوں یا کہ بھلا آپ کا ہوں دیوانہ   غلام و یارِ وفادار حق گزار ہوں میں

[1] یہ غزل نوعمری کے زمانہ کی ہے،

تمھارے زلف کے پھندے سے چھٹ نہیں سکتا ‌ ‌ ‌ یہ جال وہ ہی کہ جس کے لئے شکار ہوں میں
جو لطف و فضلِ الٰہی ہو اپنے شاملِ حال ‌ ‌ ‌ تو ایک آن میں دریاے غم سے پار ہوں میں

غمِ عشقِ بتاں ہے اور میں ہوں ‌ ‌ ‌ دلِ ناشادماں ہی اور میں ہوں
نہیں تھمتے شبِ فرقت میں آنسو ‌ ‌ ‌ یہ دریاے رواں ہی اور میں ہوں
شبِ تارِ فراقِ دلربا میں ‌ ‌ ‌ قلق ہی اور فغاں ہی اور میں ہوں
کہاں قسمت کہ پہنچوں اُس کے در تک ‌ ‌ ‌ فراقِ جانِ جاں ہی اور میں ہوں
فلک سے کب توقع ہی وفا کی ‌ ‌ ‌ جفاے آسماں ہی اور میں ہوں
کوئی قصہ نہیں مجھ کو خوش آتا ‌ ‌ ‌ صنم کی داستاں ہی اور میں ہوں

تیری صورت کا میں دیوانہ ہوں ‌ ‌ ‌ تو تو ہے شمع میں پروانہ ہوں
میں ترے عشق میں اے مہ لقا ‌ ‌ ‌ ہر گلی کوچہ میں افسانہ ہوں

بیا جاناں بیا اے آنکہ جانِ من فداے تو ‌ ‌ ‌ بحالِ زارِ من بنگر کہ چونم در ہواے تو
چہ خوش باشد اگر باشی تو اے جاناں بر من ‌ ‌ ‌ زہے قسمت اگر من اے صنم باشم براے تو
بگوشم ایں صدا می آید از ہمسایگاں ہر دم ‌ ‌ ‌ کہ اے قدرہ بجاں ہستیم ما از ہاے ہاے تو
سرت گردم دمے شادم زوصلت کن کہ ہستم من ‌ ‌ ‌ اسیرِ دامِ زلفت بسملِ تیغِ اداے تو
کہاں جاؤں کہوں کس سے جو کچھ دل پر گذرتا ہی ‌ ‌ ‌ مگر پیشِ تو نالم اے صنم از جورہاے تو
مضیٰ عمری و عیشی ما بقی فی فرقتہ سلمیٰ ‌ ‌ ‌ رضینا بالقضا یارب اگر ہست ایں رضاے تو

عالمے بہرِ تماشائے تو گرد آمدہ است — وہ چہ روئے عجبے قابلِ دیدن داری
ہیچ گاہے نتوانی کہ روی از دلِ من — اے کہ از دیدۂ من قصدِ رمیدن داری
قصۂ بے سروسامانیِ خود شرح دہم — بحضورِ تو اگر تابِ شنیدن داری
اے صبا گر گذری سوے صنم فاش بگو — عاشقے بر سرِ رہ گرمِ تپیدن داری

مرے دل سے جاتی نہیں یاد تیری — خبر جلد لے آکے اے یار میری
مصیبت ہے اے یار تیری جدائی — مجھے کھائے جاتی ہیں راتیں اندھیری
پوچھتے کیا ہو حال کیسا ہے — صاف ظاہر ہے حال جیسا ہے
چشم سے اشک ہیں رواں ہر دم — لب پہ نالہ ہے حال ایسا ہے

چو دیدم آں چشمِ سرمہ گینش رواں شدم سیلِ خوں ز دیدہ
سجن کی آنکھوں نے مجکو مارا دہائی ساری خدائی کی ہے
نہ نامۂ سوے من فرستد نہ پرسد از من چہ حال دارد
کوئی یہ پیارے سے جاکے پوچھے کہ ایسی کیا میں[1] برائی کی ہے
ز اہلِ عالم بحالِ زارم کسے ترحم نہ کرد با آنکہ
پھرا ہوں روتا گلی گلی میں نگر نگر میں دہائی کی ہے
حدیثِ دلبر رود بہر جا باستماعش شوم ہمہ گوش
سنوں نہ کیونکر میں اسکی بتیاں کہ جسنے من میں سمائی کی ہے

---

[1] یہ قطعہ بھی نوعمری کا معلوم ہوتا ہے "میں نے برائی کی ہے" کے بجائے "میں برائی کی ہے" استعمال کیا اس قسم کے محاورے قدیم اردو میں مستعمل تھے

اے گوہرِ درجِ خوبروئی	شمعِ کاشانۂ نکوئی
فرقت میں ترے نزار ہوں میں	بیخواب و بیقرار ہوں میں
ہوتی ہے بری وہ آشنائی	ہو جس سے ملی ہوئی جدائی
دل لگتا نہیں ہے گھر میں میرا	جنگل میں کروں گا جا بسیرا

مراثی

مرثیہ سالار[1] جنگ وزیر اعظم دولتِ آصفیہ:-

فغاں زحادثۂ جانگزا و جانفرسا	کہ بردہ است شکیب و قرار از دلہا
فغاں کہ بادِ خزانے وزید در چمنے	کہ ہیچ دیدندیدش ندیدہ بُد اصلا
فغاں کہ تیرِ رخشندۂ سپہرِ کمال	دگردشِ فلکی زیرِ عرش یافتہ جا
وزیرِ اعظمِ اقلیمِ دلکشائے دکن	کہ خوش لقب سرِ سالار جنگ بُد اورا
بعدل ہمسرِ کسریٰ بجود حاتم بود	بجاہ و دولت و حشمت سکندر و دارا
زعلم و فضل ہمی داشت بہرۂ وافر	سعادتِ ازلی بود از رخش پیدا
ز دستبردِ اجل آہ رخت بربستہ	بسوئے روضۂ رضواں زخاکدانِ فنا
چنیں کسے چو ازیں دار رخت بربندد	چرا نہ نالہ کشند سر بہ عالمِ بالا
ز دیدہ نیرِ بدل و کمال شد پنہاں	چرا جہاں نہ در آید سیہ بدیدۂ ما
بمرد آنکہ فرامیدگاہ عالم بود	چرا نہ اشک فشانیم ہر صباح و مسا

[1] سالار جنگ کے دو مرثیے اس مجموعہ میں ہیں، دوسرے کے عنوان پر انکا نام تراب علی خاں لکھا ہے جن کا انتقال ۱۸۸۳ء میں ہوا تھا اس وقت استاذ العلماء کا تعلق حیدر آباد سے نہ تھا، افسوس کہ اسوقت کچھ پتہ نہ چل سکا کہ کس سلسلہ سے یہ مرثیے لکھے تھے۔

مرثیہ کرامت اللہ[1]،

دل از غمِ فرقتِ کرامت خون ست　　جاں بے رخِ او بصد الم مقرون ست
اے سبزہ تو از زیرِ زمیں می آئی　　بر گو کہ عزیزِ من کرامت چون ست

مرثیہ نواب تراب علی خاں سالار جنگ وزیر اعظم دولتِ آصفیہ،

مرکزِ اقبال و دولت سرورِ عالی ہمم　　تاجدار و تاج بخش و عزت افزائے جہاں
حامیِ دینِ متین و ماحیِ آثارِ کفر　　ناشرِ آثارِ جدِ خویش ختمِ مرسلاں
مجمعِ فضل و کمال و مرجعِ جاہ و جلال　　منبعِ بذل و نوال و اخترِ ہندوستاں
مرجعِ عالم وزیرِ اعظمِ ملکِ دکن　　صاحبِ سیف و قلم فرزانہ آصف مکاں
آنکہ مشہور ست از القابِ او مختارِ ملک　　ہم شجاع الدولہ ہم سالار جنگ اندر جہاں
حیف از جورِ فلک زیں دارِ فانی رخت بست　　آفتاب اے وائے شد اندر گوِ مغرب نہاں
اہلِ ماتم را نظر آمد جہاں تاریک تر　　گنبدِ چرخِ بریں پُر شد ز فریاد و فغاں
آسمانے نو بزیرِ ایں سپہرِ نیلگوں　　ز اجتماعِ دودِ آہِ اہلِ ماتم شد عیاں
گر زمین از ماتمِ او خاک بر سر بودہ است　　آسماں ہم نیلگوں دارد ز غم گرش طیلساں

مرثیہ حکیم اکرام اللہ صاحب[2]،

اے عمِ مکرمم کجائی　　پنہاں ز نگاہِ من چرائی

---

[1] کرامت اللہ ایک صاحبزادہ کا نام تھا جو مولانا امانت اللہ صاحب سے چھوٹے اور مولوی حاجی سلامت اللہ صاحب سے بڑے تھے، سات سال کی عمر میں ۲۰ مارچ ۱۸۸۱ء کو انتقال کیا، استاذ العلماء مجھ سے فرماتے تھے کہ ایکبار قبرستان تشریف لیگئے تھے کہ اس لڑکے کی قبر پر سبزہ اگا ہوا تھا اس کو دیکھکر یہ رباعی موزوں ہوئی، [2] حکیم صاحب موصوف استاذ العلماء کے حقیقی چچا تھے، دیرہ دون میں کسی انگریز کے ملازم تھے، وہیں ۱۱ جولائی ۱۸۷۵ء کو انتقال کیا،

آں صورتِ انورِ تو اے عم | یکدم نرود ز چشم پر نم
اے عم ز غمِ تو زار نالم | بنگر کہ کجا رسید حالم
اے وا اے زما چناں بریدی | در دہرہ تو خوابگہ گزیدی
از پلکھنہ تا بدہرہ دوں آہ | صد مرحلہ ہست درمیاں راہ
چوں بہرِ زیارتِ تو آیم | چوں گام بسوئے تو کشایم
ارضاک اللہ بالنعیم | والفضل الدائم الجسیم

تواریخ

تاریخ تولد دخترِ محمد ابراہیم خان[1] رام پوری،

خدا بخشید ابراہیم خاں را | نکو دختر بوقتِ نیک مسعود
سروشے از پئے سالِ ولادت | نکو بخت و نکو طالع بفرمود
۱۲۷۰

اپنے ہمزلف[2] قاضی فضل علی کو برجستہ یہ مصرعہ خط میں لکھا جو واقعہ ہونے کے ساتھ تاریخ پر بھی مشتمل ہے،

خوب بارش ہوئی ہے ابکی سال
۱۲۷۱

تاریخ ولادت عبدالرشید خان پسر نواب[3] عبدالعزیز خان بریلوی،

---

[1] ابراہیم خاں کے متعلق کچھ پتہ نہ چلا کہ کون تھے، [2] یہ مضمون مجھسے مولانا عنایت اللہ صاحب مرحوم نے بیان فرمایا تھا، [3] نواب عبدالعزیز خاں والی روہیلکھنڈ نواب حافظ الملک کے پوتے تھے، مفتی عنایت احمد صاحب کے

حق بعبد العزیز خاں بخشید | پسرِ نیک صورت و سیرت
ہاتفے گفت از پئے تاریخ | مہرِ اوجِ سعادت و عزت

۱۲۷۳

عربی شاعری کی جانب آپ کا میلان نہ تھا، تاہم اس پر پوری قدرت تھی، جسکا اندازہ ذیل کے عربی اشعار سے ہو سکتا ہے۔

تاریخِ وفات مولوی جمیل الدین فرخ آبادی متخلص بہ جمیل[1]،

علامہ العصر عارف الدھر | ذوالفضل الکامل العظیم
اعنی شمس الھدیٰ جمیلاً | مدّاح نبیّنا الکریم
ان الرحمٰن قد توفاہ | بالرفق الناعم الجسیم
ارخت وفاتہ بقولی | ارضاہ اللہ بالنعیم

۱۲۷۶

مفتی عنایت احمد صاحب جب جزیرۂ شور سے رہائی پاکر واپس آئے تو استاذ العلماء ان سے ملنے کو کاکوری تشریف لے گئے، اور وہاں یہ تاریخ پیش خدمت کی،

چوں بفضلِ خالقِ ارض و سما | اوستادم شد ز قیدِ غم رہا
بہرِ تاریخِ خلاصِ آنجناب | بر نوشتم انّ استاذی نجا

۱۲۷۷

تاریخ طبع قصہ سیاہ پوش موسوم بہ ہدیہ مرغوبہ مصنفہ عنایت اللہ خان قیس[2]،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱) قیام بریلی کے زمانہ میں ان کی شاگردی میں داخل ہوئے، استاذ العلماء سے اسی زمانہ میں ملاقات اور دوستی ہوئی، نواب عبدالعزیز خاں اردو کے شاعر بھی تھے، ان کا دیوان عزیزی طبع ہو چکا ہے، عبدالرشید خاں نے (جنکی تاریخِ ولادت ہے) ۱۳۴۷ھ میں انتقال کیا، ملاحظہ ہو حیات حافظ رحمت خاں مطبوعہ بدایوں صفحہ ۲۲۵،

[1] مولوی جمیل الدین کوئی ذی علم مداح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، افسوس ہے کہ ان کے متعلق مزید تفصیل معلوم نہ ہو سکی، [2] عنایت اللہ خاں عرف چھوٹے خاں قیس فارسی خواں اوسط درجہ کی استعداد کے آدمی تھے

طبع شد چوں ایں نگارین داستاں　　　درخیالم فکر تاریخش گزشت
ایں چنیں کردم رقم تاریخ آں　　　قصۂ زیبا و نادر طبع گشت

تاریخ تولد فرزند،[1]

زیبا پسر بفضل رب یافتم چراے دل　　　از دیدن رخ او صد رنج روے بنہفت
بہر سن ولادت بودم بجر فکرت　　　بادا بحفظ ایزد ہموارہ ہاتفے گفت
۱۲۷۷

تاریخ وفات[2] حافظ عبدالرشید کولوی،

رفت عبدالرشید ازیں عالم　　　باد از حق ورا ہیتا خلد
ہاتفے گفت سال رحلت او　　　جاے عبدالرشید بادا خلد
۱۲۷۷

تاریخ طبع قصیدہ نعت نبی موسوم بہ گلدستۂ نعت بار دوم،

شکر گویم مرخداوند عالم را کہ باز　　　باصفا گلدستۂ نعت نبی مطبوع شد
سال طبعش گر ہوس داری برآے یادگار　　　کن رقم نعت رسول الطفی مطبوع شد
۱۲۷۷

قصہ سیاہ پوش کی دوسری تاریخ،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲) استاذ العلماء نے ان سے دو چار سبق کسی ابتدائی کتاب کے پڑھے تھے لیکن ہمیشہ انکی تعظیم بڑے سے بڑے استاد کے مانند کیا کرتے تھے، [1] یہ تاریخ غالباً مولانا عنایت اللہ صاحب کی ولادت کی ہے، [2] حافظ عبدالرشید کولوی سے کیا تعلق تھا، اس کا کچھ پتہ نہیں چلا،

قیس چوں از جودتِ طبعِ رسا — زد رقم ایں قصۂ معجز نظام

ہاتفِ غیب از پئے تاریخ گفت — داستانِ پاک و شیریں ایں کلام

۱۲۷۷

جب مفتی عنایت احمد صاحبؒ جزیرہ شور سے واپس ہو کر کاکوری تشریف لائے تو استاذ العلما کو اپنے استاد کی قدمبوسی کا اشتیاق پیدا ہوا، اور ذیل کی رباعی لکھ کر اُن کی خدمت میں بھیجی،

بہلاؤں کہاں تک دلِ ناشاد کو میں — کبتک کروں ضبط آہ و فریاد کو میں

انشاء اللہ ایک ہفتہ کے بعد — آتا ہوں قدمبوسیٔ استاد کو میں

۱۲۷۷

چوں[1] ایں خجستہ اختر بساعتِ نیک گشت پیدا — طرب بہر طرف شد ہویدا الم زہر سوئے و نہفت

زبسکہ از دیدنش منور شدہ دل و دیدۂ اقارب — سروش سالِ ولادت او چراغِ دل او دیدہا گفت

۱۲۷۹

چو[2] خوبی ہائے آں مسجد شنفتم — نظیر الکعبہ تاریخش بگفتم

۱۲۸۸

تاریخ تولد[3] فرزند،

ہوا پیدا جو یہ فرزند دلبند — خوشی کی پھر گئی ہر سو منادی

مجھے تھی فکر تاریخِ ولادت — نکو اختر ہے ہاتف نے ندا دی

۱۲۹۲

---

[1] کچھ معلوم نہیں کہ یہ کس کی تاریخِ ولادت ہے۔ [2] مجھ سے مولنا امانت اللہ صاحب مرحوم نے بیان فرمایا کہ استاذ العلماء علی گڈھ کی جامع مسجد میں ہدایہ کا درس دے رہے تھے کچھ لوگ حاضر ہو کر ایک مسجد کی تاریخ کے طالب ہوئے، چنانچہ برجستہ ان کی خواہش پوری فرما کر درس میں مشغول ہو گئے، یہ مسجد کہاں ہے اسکا کچھ پتہ نہیں، [3] غالباً کرامت اللہ کی تاریخِ ولادت ہے جو اگست ۱۸۷۴ء میں پیدا ہوئے تھے،

ساخت[1] چوں ایں خانۂ بےمثل را　　انکہ از حق یافت شانے بےنظیر
سر بجیبِ فکر بردم بہرِ سال　　ہاتفے گفتا مکانے بےنظیر
۱۲۹۳

فارغ از حج شدہ مخدومِ من[2]　　حامیِ ملّتِ شاہِ لولاک
بہرِ تاریخ رقم زد کلکم　　خوش طوافِ حرمِ ایزدِ پاک
۱۲۹۵

از[3] محمد رضائے حسنین ست　　بر زباں قصۂ سراپا سوز
بود در طفلی آں یگانۂ عصر　　شیخِ فاراب را ادب آموز
نتواں در جہاں کمالے یافت　　کہ نہ گردید ازاں نصیب اندوز
زاں جمالے کہ داشت بود بدھر　　پدر و مام را رواں افروز
شجرِ زندگیش برگ و بار　　نہ برآوردہ بود آہ ہنوز
کہ ز جورِ فلک بخاک افتاد　　واد از دستِ سفلۂ کین توز
بنظر آمد اہلِ ماتم را　　چوں شبِ تار و تیرہ روشن روز
بجگر زد غمش عزیزاں را　　جاں ستاں تیر و ناوکِ دل دوز
بر زباہاست نوحۂ تاریخ　　ہا ہہا زیں غمِ دل و جاں سوز
۱۲۹۶

رضائے حسنین کی دوسری تاریخ

حیف کہ از جورِ چرخ نیّرِ اوجِ کمال　　باہمہ حسن و جمال درگوِ مغرب شدہ
از پئے تاریخِ او داد ندا ہاتفے　　واقعہ جانگزا ہوشربا حادثہ
۱۲۹۶

---

[1] نہ معلوم کن صاحب کے مکان کی تاریخ ہے [2] نہ معلوم کہ کس کی طرف اشارہ ہے [3] یہ قطعہ کسی کی فرمائش سے لکھا تھا مزید تفصیل معلوم نہ ہو سکی

نواب محمود علیخان صاحب[1] کے کوٹھی بنانے کی تاریخ،

زہے نواب محمود علی خاں — فروغِ دین ضیائے چشم ایماں
سپہرِ شرع را رخشندہ ماہے — بہ بزم کامرانی کجکلاہے
دلِ او مظہرِ انوارِ عرفاں — ز سیمائش نمایاں نورِ ایماں
ز جود و خلق زاں ساں گشت دلشاد — کہ از حاتم نیارد ہیچکس یاد
ز امرش گشت دراندک زمانے — مرتب منزلے جنت نشانے
زہے منزل کہ خورشید جہانتاب — ز شوقِ دید او بودست بیتاب
اگر سقف ست ور در جانفزا تر — ز ہر گوشک نمایاں حسن دیگر
ندید او ندیدہ ہیچ دیدہ — نہ گوشے در صفا مثلش شنیدہ
اگر فردوس بر روئے زمین ست — ہمین ست و ہمین ست و ہمین ست
دلِ من بہرِ تاریخش چو در سفت — مکانے عالی و عشرت فزا گفت
۱۲۹۶

نواب[2] لطف علی خانصاحب[3] تمغہ ملنے کی تاریخ،

ز نواب گورنر یافت تمغہ — بوقتِ خوش کنور لطف علیخاں
مسیحی سال گر خواہی پئے یاد — طرب پیرائے تمغہ بر زباں راں
۱۸۷۹

نواب لطف علیخاں صاحب کی کوٹھی کی تاریخ،

---

[1] نواب حاجی محمد محمود علی خاں صاحب رئیس اعظم چھتاری حال نواب حافظ سر احمد سعید خانصاحب کے جدِ امجد تھے، دینداری میں مشہور اور استاذ الاساتذہ کے خاص قدردان، [3] سنہ ۱۸۷۹ء ہجری کے ۱۲۹۶ سے مطابق ہے، نواب لطف علی خان صاحب مرحوم رئیس طالب نگر نواب محمود علی خاں صاحب رئیس چھتاری کے بڑے صاحبزادے تھے،

چو نواب لطف علیخاں کہ او — بود نیک کردار و ہم نیک خو

مطیعِ رسول و مطاعِ انام — ملاذِ جہاں مرجعِ خاص و عام

بنا کرد قصر گزین و حسیں — بحسن و صفا چوں بہشتِ بریں

دلم بہرِ سالش باُرزو و زباں — بگفتا۔ بنا قصرِ جنت نشاں

۱۲۹۷

نواب لطف علیخان صاحب کے باغ کی تاریخ،

ہم آراست آں سرورِ نامجو — چو بستانِ فردوس باغِ نکو

سخن رانم از طول و عرضش چہ ساں — کہ ناید ز وسعت بوہم و گماں

ز صہبائے حسن آمدہ پر ایاغ — از انست تاریخِ او طرفہ باغ

۱۲۹۷

تاریخ وفات حکیم احمد بخش پلکھنوی،

چوں حکیم حاذق احمد بخش نام — رخت بستہ زیں جہانِ تنگنائے

بہرِ تاریخِ وفاتش ہاتفے — گفت واویلا دریغا ہائے ہائے

۱۳۰۱

تاریخ وفات مولوی[1] فیض الحسن صاحب سہارنپوری،

ازیں خرابہ چو فیض الحسن امامِ زمن — بہ بست رخت و کشادہ بجنت الماویٰ

جہاں سیاہ درآمد بچشمِ اہلِ نظر — کشید سر بفلک شورِ آہ و واویلا

[1] مولوی فیض الحسن صاحب اپنے زمانہ کے مشاہیر علما میں تھے علی گڑھ میں بھی رہے تھے اسی زمانہ میں استاذ العلما سے بہت خصوصیت ہو گئی اخیر میں اورنٹیل کالج لاہور میں پروفیسر ہو گئے اور وہیں انتقال کیا،

چہ گویمت ز کمالش کہ از فراوانی — چو خلق او نہ در آید بحیزِ احصا

ادیب و فلسفی و فقہی و مفسّر بود — طبیب حاذق و حاجی و شاعرِ غرّا

ادب ز ذاتِ کریمش بداں مقام رسید — کہ کرد وقفِ تحیّر لبید و جاحظ را

بہر زباں سخنے دلپذیر می گفتے — چہ پارسی و چہ ہندی چہ تازی والا

بہ بزمگاہِ کمالش ز خوشہ چینانش — ابو نواس و فرزدق ظہوری و سودا

بلے ز خوبیِ گفتار بود طوطیِ ہند — ز علم و فضل و ہنر بود فاضلِ یکتا

خرد چو سالِ وفاتش بجست ہاتف گفت — بمرد فاضلِ طوطیِ ہند واویلا

۱۳۰۴ھ

تاریخ وفات مولوی عبدالحیٔ صاحب فرنگی محلی،

فاضلِ بے نظیر عبدالحیٔ — مہرِ اوجِ علا چراغِ ہند

ذات سے جنکی تھا یہ ہند کو فخر — عرشِ اعلیٰ پہ تھا دماغِ ہند

آہ دنیا سے کر گئے وہ سفر — چلی بادِ خزاں بباغِ ہند

تیرگی چھا گئی لگا ہونے — غم سے پر ہو گیا ایاغِ ہند

فکرِ تاریخ تھی کہ ہاتف نے — دی ندا بجھ گیا چراغِ ہند

۱۳۰۴

تاریخِ وفات[1] مولوی اسحاق صاحب اسرائیلی،

سبک بگذاشت این دار فنا را مولوی اسحٰق — بحکم حق ز فردوسش چو پیغام طلب آمد

---

[1] مولوی اسمٰعیل صاحب علیگڑھی کے چھوٹے بھائی اُستاذ العلمار کے بہت عزیز شاگرد اور مولوی عبدالقدوس صاحب پنجابی کے ہم سبق تھے، استاذ العلمار کو ان کے انتقال کا بہت رنج ہوا تھا،

کمالات و فضائل از وفاتش گشت ناپیدا — بزیرِ خاک از مرگش معانی و ادب آمد
زمرگِ او عزیزاں سوگوار و ماتمیانند — اجل بر این کہ چوں غارتگرِ عیش و طرب آمد
اگر از شعلہاے آہ شبہا روز ساں گشتہ — ز دودِ آہ دلہا روزہا مانندِ شب آمد
بوقتِ فکرِ تاریخِ وفات از غایتِ اندوہ — دریغا آہ ہایا ہاے وا ویلا بلب آمد

۱۳۰۸ھ

مدرسہ[1] فیضِ عام کانپور کے جلسۂ تکمیلِ علوم کی تاریخ،

جلسۂ تکمیل میں طالبوں کا ازدحام — دیکھ کہا عقل نے مدرسۂ فیضِ عام

۱۳۱۰ھ

تاریخ رویتِ ہلال رمضان سنہ ۱۳۱۰ھ،

دیدند بوقتِ شامِ اہلِ ایماں — ماہِ ماہِ صیام برچرخ عیان
گفتم چو بجست دلِ من سالِ ہلال — دیدند دلا ہلالِ ماہِ رمضان

۱۳۱۰ھ

تاریخ[2] نکاح شیخ حمید اللہ ساکن جلیسر،

از نکاحِ خوشش حمید اللہ — دلِ احباب ہمچو گل بشگفت
ہاتفے سالِ ایں ہمایوں عقد — اقترانِ قمر بزہرہ گفت

۱۳۱۱ھ

تاریخِ ولادت فضل الرحمٰن پسر مولوی امان[3] الرحمٰن دہلوی،

بخشید خدا بہ نیک بختی — فرزند کو نکو نہادست

---

[1] مدرسہ فیضِ عام وہ مدرسہ تھا جو مفتی عنایت احمد صاحبؒ نے جزیرۂ شور سے واپس آنے کے بعد کانپور میں قائم کیا اور خود دو برس اسمیں درس دیا، اسکے بعد استاذ العلماء نے وہاں تدریس فرمائی، ملاحظہ ہو رسالہ استاذ العلماء ص ۔ [2] شیخ حمید اللہ کیا تھے استاذ العلماء کی بھانجی کی شادی ہوئی تھی، [3] آخری دور کے ایک شاگرد کا نام،

هر چشم خنک ز دیدنِ او — هر دل ز نشاط بامراد ست

نامم نامیش ہاتفِ غیب — فضل الرحمٰن خاں نہاد ست

تاریخ ولادتِ سعیدش — فضل الرحمٰن زندہ باد ست

۱۲ ۱۳ ھ

متفرقات

رمضان کے گذر جانے پر[۱]

مومنو کس خوابِ غفلت میں ہو تم — ہو رہے ہو حبِّ سیم و زر میں گم

ہے معاشِ دنیوی ہر وقت یاد — ایک دم کرتے نہیں یادِ معاد

غرق ہو لہو و لعب میں اس قدر — عاقبت کی کچھ نہیں تم کو خبر

اپنے مال و جاہ پر مغرور ہو — رحمتِ حق سے نہایت دور ہو

ہے خبر کچھ تم کو اُس مہمان کی — جو گیا ہے تم سے رخصت ہو ابھی

---

[۱] استاذ العلما رکو رمضان اور روزوں سے خاص الفت تھی اخیر عمر میں باوجود مریض اور شیخ فانی ہونے کے روزے نہیں چھوڑے جس سال انتقال ہوا اس سال بھی روزے رکھے، گرمیوں کے روزے تھے، سہ پہر کو خاص توڑ کا وقت ہوتا ہے اچھے اچھے تندرست پریشان ہو جاتے ہیں مگر میں نے عجیب بات یہ دیکھی کہ استاذ العلما پر اس وقت نہایت بشاشت ہوتی تھی اور چہرہ بہت بارونق معلوم ہوتا تھا، عید الفطر کے روز ہمیشہ میں نے یہ رباعی پڑھتے سنا:

عید رمضاں آمد و ماہِ رمضاں رفت — صد شکر کہ ایں آمد و صد حیف کہ آں رفت

بر فاست تمیز از بشر و سائر حیوان — زاں روز کہ ایں ماہِ مبارک زمیاں رفت

کس طرح سے تم سے وہ رخصت ہوا
شاد یا ناشاد بتلاؤ ذرا

کون مہماں حضرتِ ماہِ صیام
جس میں رحمت ہوتی ہو نازل مدام

جس میں ہوتا ہے ملائک کا نزول
جس میں ہوتی ہو دعا اکثر قبول

جس کو فرماتا ہے حق الصوم لی
اور کہتا ہے انا اجزی بہ

اسکی آمد کا کروں میں کیا بیان
تھا عجب دلچسپ اک اُس دم سماں

جس کو دیکھو ہر طرف سے تھا کھڑا
منتظر اُس کے قدومِ پاک کا

رحمتِ حق دفعۃً آئی نظر
نور سے روشن ہوئے دیوار و در

سب پکارے لو وہ مہماں آگیا
شوق جس کا تھا ہر اک دل میں بھرا

آیا رمضاں آیا رمضاں شور تھا
اور مبارکباد کا تھا غل مچا

فیضِ مہماں نے کیا ایسا اثر
ہوگیا مثلِ ملائک ہر بشر

کچھ نہ کھانے سی نہ کچھ پینے سے کام
یادِ حق میں محو تھا ہر خاص و عام

حکم رب سے باب جنت کے کھلے
بند دروازے جہنم کے ہوئے

جو شیاطین اور جو اشرار تھے
سب مقید حکم خالق سے ہوئے

مسجدوں میں روزہ داروں کا ہجوم
آسماں میں جیسے کثرت سی نجوم

ختم قرآں سے عجب اک نور تھا
شور جس کا قدسیوں میں تھا مچا

کرتے تھے افطار روزہ جس گھڑی
کیا بیاں ہو کیفیت اُس وقت کی

تھا مسرت سے ہر اک کا یہ کلام
شکر ایزد را کہ شد روزہ تمام

گردشِ افلاک سے وہ میہماں
ایک دم میں ہوگیا ہم سے نہاں

یک بیک وہ نور غائب ہوگیا
جو ہمارے دل کی ظلمت دھو گیا

اب نہ ہے وہ مسجدوں میں ازدحام — اور نہ افطاری کا ہے کچھ اہتمام
ہوگئی قدوسیت زائل تمام — اب تو کھانے اور پینے سے ہے کام
ہر گھڑی افسوس ہے دل کو یہی — کیسی نعمت دفعتہً جاتی رہی
اب تو ملنا ہوگیا اُس کا کٹھن — دور ہم سے ہے بہت اُس کا وطن
سال سے پہلے وہ اب ملتا نہین — سال بھر کے بعد دیکھینگے کہین
سال بھر جینا کسے معلوم ہے — سال بھر کی زندگی موہوم ہے
الوداع اے ماہِ رمضان الوداع — الوداع اے راحتِ جاں الوداع
الفراق اے مونس و غمخوار ما — الفراق اے غمگسار و یارِ ما
اے مہِ خیر و فضائل الوداع — اے مہِ نیکو شمائل الوداع
اے تہین ماہِ مواسات الفراق — اے گزین شہرِ مدارات الفراق
الوداع اے رحمتِ پروردگار — الوداع اے شافعِ روزِ شمار
اب بگوشِ دل ذرا اے مومنو — حال صومِ ماہِ رمضان کا سنو
قبر مین جس دم نکیرین آئیں گے — رب ترا ہے کون لب پر لائین گے
شکل ان کی ہوگی ہیبتناک تر — آنکھین نیلی جسم کالا سر بسر
ہوگا میت کو بہت اس دم ہراس — کوئی ہوگا واں نہ اُسکے آس پاس
روزہ دار و روزہ کام آجائیگا — میت اس غم سے رہائی پائے گا
جب سوا نیزہ پہ ہوگا آفتاب — پیاس سے ہوگا ہراک کو اضطراب
تشنگی سے اس قدر گھبرائیں گے — العطش ہر دم زباں پر لائیں گے
روزہ داروں کو وہاں حق سے عطا — سرد پانی ہوگا اور ٹھنڈی ہوا

باب ریّاں ہی انھیں کے واسطے — جو بہت سرسبز اور سیراب ہے
وہ جو نفسی نفسی کا ہوگا مقام — روزہ دارو روزہ واں آئیگا کام
عدل کی میزان جب ہوگی کھڑی — خوف سے تھرائینگے سب اُس گھڑی
فضلِ حق سے بالیقین و بیگماں — پلہ ہوگا روزہ دارون کا گراں
جبکہ اُس پل سے کرینگے سب گذر — جو کہ ہوگا تیغ سے بھی تیز تر
کٹ کے دوزخ مین گرینگے بیشمار — روزہ دار اک آن مین ہوینگے پار
الغرض روزہ ہے اک نعمت عجیب — جو ہوئی ہے اہل ایمان کو نصیب
گر ہوا ہے اس میں کچھ تم سے قصور — ہو نہ تم نومید از فضلِ غفور
ہے کشادہ باب توبہ مومنو — صدق دل سے پیشِ رب توبہ کرو
بندۂ تائب سے ربِّ ذوالجلال — راضی و خوشنود ہوتا ہے کمال
اے خدا بہرِ رسولِ مصطفےٰ — دام سے شیطان کے کر ہم کو رہا
نیک کاموں کی ہمیں توفیق دے — اور عقائد کی دلی تصدیق دے
روزہ داروں کے لئے ہے جو جزا — اے خدا ہم کو بھی وہ ہوئے عطا
اتباعِ سنّتِ خیرُ البشر — ہو ہمارے واسطے زادِ سفر
ہر گھڑی دل میں تری ہی یاد ہو — یہ دلِ ویران بھی آباد ہو
اپنی رحمت کا پلا دے ہم کو جام — جس سے زحمت دور ہو جائے تمام
تیرے ہی بندے ہیں گو ہیں پر گناہ — تیرے ہی در کیطرف ہے سبکی راہ
چھوڑ کر تجھکو بھلا جائیں کہاں — جز ترے در کے نہیں جائے اماں
گر نہ ہوگی تیری رحمت کی نظر — قعرِ دوزخ میں پڑینگے سربسر

فضل تیرا اے خدا درکار ہے — فضل سے تیرے ہی بیڑا پار ہے
جب تلک زندہ رہیں دنیا میں ہم — رکھ شریعت پر ہمیں ثابت قدم
دارِ فانی سے کریں جس دم سفر — خاتمہ ہو کلمۂ توحید پر

مولوی[1] قمرالدین صاحب کے نام منظوم خط،

اے مرے مونس قمرالدین — صاحبِ فہم و عقل متین
فضلِ خدا سے شاد رہو — شاد رہو آباد رہو
نامہ جو تم نے بھیجا تھا — دل کو مسرت بخش ہوا
ہو گیا یہ معلوم مجھے — خط کے تمہارے مضموں سے
جس جگہ تم رکھتے ہو قیام — خوب جگہ ہے خوب مقام
شکر خداوند دو جہاں — جس نے تمہیں پہنچایا وہاں
فضل سے اس کے ہے یہ اُمید — شاد رکھے تم کو جاوید
میں بھی کبھی گرتا پڑتا — پاس تمہارے پہنچوں گا
حال کروں کیا اپنا رقم — ہو گیا ہوں میں صورتِ غم
گرچہ پڑھاتا ہوں میں سبق — دل نہیں لگتا پر مطلق
جب میں فراغت پاتا ہوں — اپنی جگہ پر آتا ہوں،
ہوتا ہے دل کا پھر وہی حال — وہی تصوّر وہی خیال

---

[1] مولوی قمرالدین صاحب پنجابی استاذ العلماء کے شاگرد اور مولانا بشیر احمد صاحب کے ہم سبق تھے، اجمیر میں قیام تھا رسالہ استاذ العلما (ص ۲۸) میں لکھا ہے کہ رسالہ مآل التہذیب کے مدیر تھے، یہ خط یقیناً ۱۸۸۳ء مطابق سنہ ۱۳۰۱ھ کا ہے اکیونکہ مولوی عبدالقادر صاحب کا انتقال اسی سنہ میں ہوا تھا،

گھر کا مرے ہے حال عجیب — جو کہ نہ ہو دشمن کو نصیب

عبدالقادر کی بیوی — ہو گئی بیوہ ہو گئی جی

طرفہ کہ میں جیتا ہوں مگر — گھر میں مرے بیوہ سے بتر

چھوڑ دیا سب اپنا سنگھار — اپنے کپڑے ڈالے اُتار

پھٹے پرانے سے ہے کام — رونے میں دن رات مدام

پلکنے میں جاتا ہوں اگر — با دلِ زار و دیدۂ تر

دیکھ کے شکل اُن دونوں کی — ہوتی عجب حالت ہے مری

دل میں قلق اور لب پر آہ — اشکِ رواں اور حالِ تباہ

کرکے بسوے چرخ نظر — کہتا ہوں اے چرخِ اخضر

ہم پہ کیا یہ تونے ستم — پھٹ پڑا سر پر کوہِ الم

پیارا مرا اے بانیِ جور — رہتا اگر زندہ کچھ اور

اس میں بگڑتا کیا تیرا — تیرے تو فخر کا باعث تھا

جاتا ہوں میں پھر خستہ جگر — مرقدِ عبدالقادر پر

دیکھ کے وہ نورانی قبر — دل کو نہیں رہتا ہے صبر

مضطربانہ روتا ہوں میں — آنسوؤں سے منھ دھوتا ہوں میں

کہتا ہوں سبزۂ تربت سے — عبدالقادر ہے کیسے

قبر سے پھر کرتا ہوں خطاب — اے مرے پیارے کی جائے خواب

ہو نہ مرے پیارے کو ملال — اس کا ہمیشہ رکھنا خیال

جس کو لیا ہے تونے چھپا — میرے جگر کا ہے ٹکڑا

جس کو فلک نے مارا ہے — میری آنکھ کا تارا ہے
الغرض ایسی باتیں کر — لوٹ کے پھر آتا ہوں گھر
تم ہی کہو اے قمر الدین — کیوں نہ ہوں میں رنجور و غمین
جس کا کہ ہووے حال ایسا — زیست کا اُس کو لطف ہو کیا
حق سے ہے ہر دم اب یہ دعا — غم سے ہیں فرمائے رہا
اپنی محبت کا دے جام — اپنی ہی یاد کو رکھے مدام
دل میں نہ آئے یادِ غیر — خاتمہ ہو جائے بالخیر
نامہ کو اب کرتا ہوں تمام — تم رہو خوش اور شاد مدام

مولوی عبدالغنی[1] خانصاحب کے نام خط،

اے مہر سپہر خوش بیانی — اے نیّر اوجِ نکتہ دانی
اے گلشن نظم را گل پور — اے گلبنِ نثر را گلِ تر
اے آنکہ ز ہجرِ تو چنانم — کز ہستیِ خویش در گمانم
تا چند بشکوہ لب کشائی — تا کے ز در شکایت آئی
میداں بیقیں کہ من نہ آنم — کز بابِ نفاق حرف خوانم
آنم کہ ز عہد بر نہ گردم — در وصفِ وفائے عہد فردم
چوں غیر رضائے تو نہ جویم — کے ترک محبتِ تو گویم
چوں بے تو بہ دردِ غم نشینم — کے از تو فراموشی گزینم

[1] مولوی عبدالغنی خانصاحب اولین شاگردوں میں تھے، ملاحظہ ہو رسالہ استاذ العلماء ص ۱۰

وین حرفِ گلہ کہ درمیان ست از جور وجفاے ڈاکیان ست

مکتوبِ مرا بباد دادند حرفِ گلہ است بیاد دادند

زین راہزنانِ مردم آزار خلقے ست بصد الم گرفتار

بگذر ز کلامِ شکوہ آمیز برخیز بیا بیا و برخیز

زود آکہ زحد گزشت دوری زود آکہ محال شد صبوری

حال سفر و وطن ہمین ست کین چرخ بکامِ من بکین ست

ہر فکر کہ می رود دریں کار از بازیِ چرخ ناورد بار

ہیہات کہ این سپہرِ بےمہر ریزد ہردم بکامِ من زہر

وقت ست کہ از جفاے این دوں نالم بدرِ خداے بیچوں

باشد کہ ز ابرِ رحمتِ او آید بمن آبِ رفتہ درجو

چوں نامہ رسید تا باین حد ختمش بسلام لازم آمد

اے مہرِ سپہرِ جاہ و عزت حق رکھے آپ کو سلامت

خط آپ کا میرے پاس آیا سر پہ رکھا آنکھوں سے لگایا

وصف اسکا بیان کیا کروں میں حیرت زدہ اُس کو دیکھوں ہوں میں

زریں چو عذارِ ماہ رویاں نعلین مثلِ لب نکویاں

نظم اُس کی دلفریب و دلکش چوں طرۂ شاہدانِ مہوش

قاسم دیوانۂ فصاحت سودا سودائی بلاغت

۱؎ اس خط کے مخاطب کا کچھ پتہ نہ چلا۔

جرأت جرأت کہاں یہ پانے — جو اس کے مقابلہ کو آئے
مومن کی جو نظم سے ملایا — مومن کافر کا فرق پایا
مضمون وہ نوید فرحت افزا — مدت سے جس کی تھی تمنا
الحمد لخالق البرایا — جس نے یہ خوشی کا دن دکھایا
افسوس وہ نامۂ مکرم — آیا بندہ کے پاس اُس دم
آمادۂ بلکھنہ تھا جس آن — با اہل و عیال جملہ سامان
اسباب جو تھا کسا بندھا تھا — چھکڑوں کو تلاش کر رہا تھا
تاریخ جو آپ نے لکھی تھی — تھا اس میں ایک روز باقی
شرکت جو میری ہوتی منظور — خط پہلے سے آتا حسب دستور
مہلت گر چار دن کی پاتا — اس بزم میں سر کے بل میں آتا
کیا کیجئے کہ تھا یہی مقدر — یعنی شرکت نہ ہو میسر
اب ختم کلام ہے دعا ہے — آمین کو ہر اک ملک کھڑا ہے
دولہ و دلھن رہیں سلامت — با عیش و نشاط تا قیامت

دریں خرابہ قرار ندادہ اند مگر — ہمیں قدر کہ توانیم بست رخت سفر
خوش آں کسیکہ ازیں لجۂ بلا انگیز — چناں گذشت کہ اصلا نگشت دامن تر
بحال زار خودم گریہ ہاہمی آید — کہ آب فتنہ مرا ورگذشتہ است ز سر
نہ از خرابی انجام آگہی دارم — نہ از تباہیِ اعمال زشت ہست خبر
ز فکر ہر دو جہاں پاک و رستگار شوم — اگر رفیق شود لطف خالق اکبر

درّدورہ[1] چوں توئی ہنرور پرور — دارد اے وائے چوں منے اہلِ ہنر
آب و خور خود ز جور چرخ اخضر — از آبِ روانِ چشم و از لختِ جگر

رمضان کی آمد پر،

یہ ہر طرف ہے ندائے نقیبِ ماہِ صیام — کہ مومنو اٹھو غفلت سے اب ہے خواب حرام
مہ مبارک رمضان کا ہے قریب نزول — ہو مستعد بدل و جاں پئے صیام و قیام
ہو بیخودی کی یہ حالت عبادتِ حق میں — نہ آب کی ہو تمنا نہ آرزوئے طعام
ہجوم ایسا تراویح میں ہو ہر جانب — کہ ہر طرف نظر آجائے شوکتِ اسلام
بصد سرور یہ لب پر ہو جب کرو افطار — ہزار شکر کہ روزہ ہوا ہمارا تمام

مولوی عبدالغنی خاں صاحب کے نام،

اے آنکہ ترا فخرِ زمن میدانم — مجموعۂ اخلاقِ حسن میدانم
ہجرِ تو چہ گویم کہ چہا کرد بمن — حق داند و تو دانی و من میدانم

آنکس[1] کہ ز صبح تا بوقتِ خفتن — ماند بکشاکشے کہ نتواں گفتن
پیداست کز و نیاید اصلا کارے — جز دانہ اشکہا بمژگاں سفتن

---

[2] حافظ نظام الدین صاحب جوش کے نام،

اے آنکہ منم بستۂ احسانِ تو — سر برنہ زنم گاہ ز فرمانِ تو

---

[1] اس رباعی کے مخاطب کا کچھ پتہ نہ لگا۔ [2] اس رباعی کو استاذ العلماء اکثر میرے سامنے نہایت لطیف انداز میں پڑھا کرتے تھے۔

بگذر ز خطائے کہ برفت از کلکم | اے جان و دلم باد بقربان تو

مولوی عبد الشکور خانصاحب کے نام،[1]

اے آنکہ زعلم حظِ وافر داری | وز خلق قلوب خلق در دست آری
بگذر از ہرزہ من ہرزہ درائی | یارب وحدت مدام فضلِ باری

صاحبزادہ مولوی عبد القادر صاحب کے نام،

اے نور دو دیدہ ام سلامت باشی | باشوکت و حشمت و کرامت باشی
از چشم بد اندیش وہم از فتنۂ دہر | محفوظ و مصون تا بقیامت باشی

مدام[3] تا کہ جہان ست در جہاں باشی | زچشم زخم بد اندیش در اماں باشی
بنامۂ چو مئے را بیاد آوردی | بدہر فائز مقصود و کامراں باشی

دنیا سے کوچ احمد مختار کر گئے | بوبکرؓ اور حیدرِ کرّار کر گئے
عثمانؓ اور عمرؓ بھی یہاں سے چلے گئے | اقطاب و اولیا بھی یہاں سے چلے گئے
دنیا میں کوئی آکے ہمیشہ رہا نہیں | جز ذاتِ کردگار کسی کو بقا نہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹) [3] حافظ نظام الدین صاحب بساطی کو لوی استاذ العلما کے کانپور تشریف لیجانے سے قبل کے شاگرد تھے، ذی علم شاعر تھے خوش تخلص تھا، مفتی عنایت احمد صاحبؒ کے جزیرہ شور سے رہائی کی تاریخیں انھوں نے بھی کہی تھیں، استاذ العلما ان سے بہت محبت کرتے تھے، ۲۴ اکتوبر ۱۸۷۵ء کو انتقال کیا، [1] مولوی عبد الشکور خانصاحب بھیکم پور ضلع علیگڈھ کے رئیس اور استاذ العلما کے خاص قدر دان مہمان نوازی اور خوش خلقی میں مشہور تھے، [2] نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خانصاحب شروانی موصوف کے حقیقی بھتیجے ہیں، [3] اس رباعی کے مخاطب کا بھی پتہ نہ چل سکا،